جدید اردو افسانے میں فسادات کا منظر نامہ

سید عینین علی حق
شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

فسادات ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فسادات کا معرض وجود میں آنا غیر فطری عمل ہے، کیوں کہ ان فسادات میں تمام مذاہب اور طبقات کے لوگ ملوث نہیں رہتے بلکہ چند لوگ اس لعنت کو باقاعدہ انجام دیتے ہیں، جس کا شکار غریب اور متوسط طبقہ ہوتا ہے۔

فسادات ہندوستان کے لیے تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کا تحفہ ثابت ہوئے ہیں، جس نے آج تک ہندوستانی عوام کے دلوں میں نفرت پیدا کر رکھی ہے اور کوئی سال ایسا نہیں جاتا جب کوئی بڑا فساد نہ ہوتا ہو۔ فسادات نے ملک کی معاشی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی فضا کو ایسا مکدر کیا کہ آج تک ملک کے تمام شعبوں اور میدانوں میں فسادات کا ذکر سرفہرست ہوا کرتا ہے۔ فساد ایک ایسا موضوع ہے، جس پر دفتر کے دفتر بھرے جا سکتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد فرقہ وارانہ فسادات پر افسانہ نگاروں نے متعدد کہانیاں قلم بند کی ہیں۔ انہی فسادات کے ذیل میں ۹۰ کی دہائی کے بعد دہشت گردانہ حملوں کا آغاز ہوا۔

موجودہ صورت حال بھی جنگ آزادی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے بلکہ مزید سنگین ہو چکی ہے۔ پہلے صرف فسادات ہوا کرتے تھے، مگر اب بم بلاسٹ جیسے واقعات بھی رونما ہونے لگے ہیں۔ یوں تو فسادات کا آغاز ۱۸۵۷ء سے ہی ہو چکا تھا، مگر انگریزوں نے ان فسادات کو فرقہ واریت کی ایک نئی شکل دے دی۔ انگریزوں کی شرپسندیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں فسادات نے فرقہ وارانہ فسادات کی شکل اختیار کر لی۔ فرقہ واریت فرقہ وارانہ فسادات سے زیادہ ہیبت ناک صورت حال پیدا کرتی ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہے۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، جس میں سبھی مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ معمولی قسم کے مذہبی اور تہذیبی ٹکراؤ ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر انگریزوں نے ہندوستانیوں کی ایسی ذہن سازی کی کہ وہ فرقہ واریت کی آگ میں جلنے لگتے ہیں۔ فسادات ہوتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد حالات معمول پر آجایا کرتے ہیں، گلے شکوے ختم ہو جاتے ہیں، مگر فرقہ واریت وہ لعنت ہے جس کے شعلے دلوں میں مستقل بھڑکتے ہیں اور ان شعلوں کے اثرات مظفر نگر، پونا، بنگال، بہار اور دادری و دیگر واقعات میں فسادات کی شکل میں نمودار ہوئے، ان فسادات کا شکار معصوم انسانوں کو ہونا پڑتا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ فسادات منظم سازش کا حصہ ہیں، یہ سازشیں سیاسی رہنماؤں کی سرپرستی میں انجام دی جاتی ہیں۔ بھاگل پور، میرٹھ، دہلی، اتر پردیش، اجودھیا، گجرات، ہریانہ، مظفر نگر وغیرہ میں خطرناک فسادات ہوئے ہیں، ان فسادات میں اقلیتوں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد پیش آنے والے واقعات پر بڑی تعداد میں بیسویں اور اکیسویں صدی میں افسانے لکھے گئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے کیوں کہ فسادات نے اب تک دم نہیں توڑا ہے بلکہ یہ فسادات ایک تناور درخت بن چکے ہیں۔

اگر ہم جدید اردو افسانوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں تو ۱۹۷۰ء یا ۱۹۸۰ء کی دہائی میں لکھنے والے افسانہ نگار مثلاً سید محمد اشرف، علی امام نقوی، حسین الحق، طارق چھتاری، شفق، سلام بن رزاق، شموئل احمد، بیگ احساس، خالد جاوید، اقبال مجید، معین الدین جینا بڑے، غضنفر، مشرف عالم ذوقی، ترنم ریاض، ساجد رشید، نگار عظیم، اسلم جمشید پوری اور احمد صغیر کا ہی نام لینا مناسب سمجھتے ہیں کیوں کہ ادبا اور اساتذہ کے ذہنوں نے یہ قبول کر لیا ہے کہ یہی لوگ جدید منظر نامے کے شاہسوار ہیں کیوں کہ اکیسویں صدی میں افسانے نہیں لکھے جا رہے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نوجوانوں میں رحمٰن عباس، تبسم فاطمہ، سلمان عبدالصمد، نورین علی حق، ذاکر فیضی، شبنم افروز، شہناز رحمٰن، صدف اقبال، ترنم جہاں شبنم کے علاوہ متعدد افسانہ نگار صحیح معنوں میں جدید افسانہ نگاروں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ان میں بیشتر نے فسادات سے متاثر ہو کر بھی افسانے لکھے، اس فہرست میں ذاکر فیضی کا افسانہ 'انسان کی موت' سلمان عبدالصمد کا 'گلوب میں گردش' اور نورین علی حق کا 'سہا ہوا آدمی' کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

ان باتوں سے قطع نظر تقسیم ہند سے قبل اخلاقی افسانے تخلیق کیے

جارہے تھے، لیکن ماحول کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے افسانہ نگاروں نے فسادات اور فرقہ واریت کے موضوع کو فروغ دینا شروع کیا۔ تقسیم ہند سے لے کر ۱۹۶۰ء۔۱۹۷۰ء تک ان موضوعات کا خوب احاطہ کیا گیا، مگر وہی صورت حال ۱۹۸۰ء کے بعد بھی برقرار رہی۔

۱۹۸۴ء کے سکھ فسادات مخالف نے ملک کی دوسری بڑی اقلیت کی زندگی اور اقتصادی حالت تباہ و برباد کرکے رکھ دی، اس فساد نے مختلف زبانوں کے قلم کاروں کے ساتھ ہی اردو قلم کاروں کو بھی بے حد پریشان کیا، جس پر غضنفر اور مشرف عالم ذوقی نے افسانے لکھے۔ مشرف عالم ذوقی نے ہجرت، بٹوارہ، اشغلہ کی بند مٹھیاں، مہاندی جیسی کہانیاں لکھیں۔ ''ہجرت'' ایک بزرگ سکھ کی کہانی ہے جو تقسیم کے لٹے لٹائے بہار کے ایک چھوٹے سے شہر ہجرت کرجاتے ہیں، لیکن ۱۹۸۴ء کے فسادات کے بعد انھیں ایک بار پھر ہجرت کے کرب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے علاوہ غضنفر کی کہانی 'پہچان' سکھوں کے مذہبی جذبات اور درد کو بیان کرتی ہے، جس میں اپنی زندگی بچانے کے لیے اپنی شناخت چھپانی پڑتی ہے اور یہ تلخ حقیقت بھی ہے کہ سکھ مخالف فسادات میں سکھوں نے اپنی داڑھیاں اور بال کٹوا دیے تھے تاکہ زندہ رہ سکیں۔ اس ضمن میں علی امام نقوی کا افسانہ 'بازگشت' سکھ مخالف فسادات کے تناظر میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، کافی بے باکی کے ساتھ ماضی حال اور مستقبل کی منظرکشی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فسادات کے حوالے سے ہی ان کا افسانہ شکستگی ہے۔ خالد کا ختنہ، تیزابی محبت، تانا بانا وغیرہ بھی غضنفر کی قابل توجہ کہانیاں ہیں۔

اردو فکشن تقریباً سو سال سے زیادہ کا سفر طے کرچکا ہے، اس درمیان اردو میں بہت ساری تحریکیں اور رجحانات آئے، ان تحریکوں کا اثر اردو فکشن نے بھی قبول کیا۔ اردو فکشن کے آغاز میں مختلف موضوعات پر کہانیاں سامنے آئیں۔ اردو افسانے کی تاریخ کو قدامت حاصل نہ رہی ہو، مگر یہ وہ صنف ادب ہے جو اپنی مقبولیت کے سبب بیشتر اصناف پر فوقیت رکھتی ہے۔ افسانے میں سبھی موضوعات کو زیر قلم لایا گیا ہے۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشرتی، فسادات، دہشت پسندی، نفسیات، بین الاقوامی صورت حال کی عکاسی، تہذیب وتمدن کے مختلف پہلو، ملک کے تئیں حب الوطنی، جدید ٹیکنالوجی، سائنس، سبھی موضوعات میں ایجاز واختصار کے ساتھ اسلوبِ معیار کی سطح پر تنوع بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اردو افسانوں نے خصوصاً سماج کو بہت زیادہ متاثر کیا، خواہ وہ ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیت اور حلقۂ ارباب ذوق کے علاوہ کسی بھی رجحان کے بینر تلے لکھے گئے ہوں، سبھی نے انسانیت کا مرثیہ بہ آواز بلند پیش کیا۔ افسانوی دور کا ابتدائی زمانہ سماج کے مسائل اور سماج کی تربیت پر ہی مبنی تھا۔

سلام بن رزاق کی کہانی 'چادر' جہاں ممبئی میں ہوئے فسادات کے حقائق کو بیان کرتی ہے وہیں سماج کی تربیت اور قومی یکجہتی کا پیغام بھی دیتی ہے، انور اور ودیا چرن دو دوست اس کہانی کے اہم کردار ہیں۔ انور تجارت کی غرض سے غیر شہر میں زندہ انسان کو خاک سیاہ میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، اس کے دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے، لیکن خود کو ودیا چرن کے گھر میں محفوظ محسوس کرتا ہے۔ سلام بن رزاق نے فسادات کے تناظر میں متعدد کہانیاں لکھیں، ان کی اہم کہانیوں میں آخری کنگورا، چہرہ اور آدمی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس بات سے بھی انحراف نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بیسویں اور اکیسویں صدی میں قتل وغارت گری کے موضوع کو فوقیت حاصل رہی اور خوں چکاں دردناک واقعات صفحۂ قرطاس پر محفوظ کئے جاتے رہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد بیشتر کہانیاں فسادات سے متاثر تھیں، جن میں براہ راست فرقہ وارانہ فسادات کی مخالفت کرتے ہوئے معاشرے کی تربیت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی تاکہ آپسی امن وامان قائم رہے مگر المیہ یہ تھا کہ فرقہ واریت انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی کے آزاد ہندوستان میں سماجی، اقتصادی، پسماندگی اور سیاسی ارتقا کے ساتھ ہی وجود میں آئی تھی۔ جس کے طفیل میں معاشرے کے انسانوں کو معاشی بدحالی، جاگیردارانہ نظام، ہندو مسلم دشمنی، عصمت دری، ہجرت جیسی لعنتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کرنے اور کہانیوں کے فروغ میں بلاشبہ ترقی پسند دور نے اہم کردار ادا کیا۔ مصلحت پسندی سے آزاد ہوکر غیر جانبداری اور بے باکی کے ساتھ کہانی لکھنے کی بنیاد ۱۹۳۲ء میں 'انگارے' نے ڈالی، جس کے بعد باغیانہ تیور کی کہانیاں کثرت سے لکھی جانے لگیں۔ ترقی پسندوں کا زوال آتے ہی اردو ادب کا نیا رجحان 'جدیدیت' کا آغاز ہوتا ہے۔ جدیدیوں نے معاشرے کی جگہ فرد کو خصوصیت کے ساتھ اہمیت دی اور فرد کے ساتھ پیش آنے والے کرب ناک اور دردناک واقعات کو سیاق وسباق کے ساتھ پیش کیا۔ ظاہر ہے ان کا مقصد بھی وہی تھا جو ترقی پسندوں کا۔ ترقی پسندوں نے اجتماعیت اور جدیدیوں نے انفرادیت کو فروغ دیتے ہوئے سماج کے مسائل اور فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف بڑی تعداد میں علامتی اور استعاراتی افسانے قلم بند کیے۔

۱۹۸۰ء کے بعد کا زمانہ اردو افسانوں کا ٹرننگ پوائنٹ رہا ہے۔

بیانیے کی واپسی ہوئی اور بحثوں کے دروازے بھی کھلے۔ اردو فکشن میں اکثر و بیشتر موضوعات کے حوالے سے بحث و مباحثہ کیا جاتا رہتا ہے اور بیشتر ادیب و ناقد یہ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات کو بطور موضوع پیش نہیں کیا جاسکتا جب کہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان کی سائیکی کا حصہ بن گئے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل اور معاملات کو موضوع تسلیم کیا جاسکتا ہے تو فرقہ واریت کو موضوع تصور کرنے میں کیا مضائقہ۔ کیوں کہ فسادات پر لکھی گئی کہانیاں بھی سماج کے المیے کو ہی بیان کرتی ہیں۔ جس کا شکار ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی مذاہب کے لوگوں کو ہونا پڑتا ہے۔ اس المیے کو اردو، ہندی اور دیگر زبانوں کے افسانہ نگاروں نے بھی بہت ہی شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی کہانیوں میں جگہ دی۔ ۸۰ء کے بعد کا زمانہ اقلیتوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے کا ہے۔ یوں تو یہ سلسلہ تقسیم ہند کے بعد سے ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن ۸۴ء کے بعد سکھ مخالف فسادات، میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، مرادآباد، مظفرنگر، گجرات، اڑیسہ اور دادری وغیرہ کے مسلم مخالف فسادات، بابری مسجد کی شہادت، گودھرا اور پھر نہیں ختم ہونے والا بے قصور مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ، یہ وہ واقعات تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ذہنی، اقتصادی اور فکری سطح پر مفلوج کر دیا۔ ان واقعات سے پورا ہندوستان متاثر ہوا۔ فرقہ وارانہ فسادات کوئی ایسی مخلوق نہیں، جو کسی زمانے میں ہوا کرتی بلکہ یہ وہ المیہ ہے جو تین صدیوں سے انسانیت کے قلعے کو منہدم کرنے میں سرگرم ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی کوششیں دور مغلیہ کے ختم ہوتے ہی، انگریزوں کے برسراقتدار آتے ہی کی جانے لگی تھیں۔ انگریز ہندو مسلم دشمنی کی بنیاد مستحکم کرنے میں مصروف ہوگئے۔ ان لوگوں کو خدشہ لاحق تھا کہ یہ دونوں قومیں متحد رہیں گی تو ہماری حکومت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ لہٰذا انگریزوں نے ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب کا رویہ اختیار کیا جانے لگا۔ انگریزوں نے باضابطہ فرقہ وارانہ فسادات کرانے کے لیے پالیسی تیار کی اور مرادآباد کا کمانڈنٹ لیفٹیننٹ کرنل کوک نے لکھا:

> ''ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم پوری طاقت کے ساتھ مختلف مذہبوں اور ذاتوں کے درمیاں موجودہ بھید بھاؤ بنا رہنے دیں۔ ہمیں یہ فرق و امتیاز ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ 'اختلاف پیدا کرو اور حکومت کرو' ہی ہندوستانی حکومت کا اصول ہونا چاہئے۔''

(شیخ محمد غیاث الدین، فرقہ واریت اور اردو ہندی افسانے، ص: ۴۹)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے آج تک کسی نہ کسی طور پر بھڑکتے رہتے ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت ۱۹۹۲ء میں ہونے کے بعد اس باب میں ایک اور حصے کا اضافہ دہشت گردانہ حملوں کی شکل میں ہوا۔ جس کے کرب سے فکشن رائٹر بھی نہ بچ سکے اور سیکڑوں افسانے لکھے گئے۔ آج تک فساد و دہشت پسندی کے موضوع پر کہانیاں لکھی جارہی ہیں۔ بابری مسجد کا سانحہ وہ سانحہ تھا جس نے ملک میں افراتفری کا ماحول پیدا کردیا، قلم کاروں نے افسانے لکھے۔ حسین الحق کا افسانہ 'نیو کی اینٹ' بابری مسجد کی شہادت کے تعلق سے ایک نمائندہ افسانہ قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں مسلمانوں کی مجبوریوں کے ساتھ ساتھ خوف و دہشت کی عکاسی دیکھی جاسکتی ہے۔ حسین الحق نے فسادات کے حوالے سے کربلا، واحسرتا جیسے افسانے لکھے ہیں۔

شوکت حیات کا افسانہ 'گنبد کے کبوتر' ایک بہترین افسانہ ہے۔ اس کے پس منظر میں بابری مسجد کی شہادت اور مسلمانوں کے درد اور جذبات کو بہ خوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ کبوتر امن کی علامت ہے کبوتروں کے اڑ جانے کا مطلب ہے خوف کا سر نکالنا۔ کہانی آغاز سے انجام تک اس خوف کو اپنا نشانہ بناتی ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ وہ بدترین سانحہ تھا جس کے بعد انسانوں کے خون کی ہولی کھیلی جانے لگی تھی، مسجد کی شہادت کے ردعمل میں مختلف شہروں میں متعدد فسادات رونما ہوئے تھے۔ بابری مسجد کی شہادت کے طفیل میں ہوئے فسادات سے متاثر ہوکر شفق نے اپنے شہر سہسرام اور ممبئی فساد کا تذکرہ اپنی کہانی 'نیلا خوف' میں کیا۔ نیلا خوف ایسے شخص کی کہانی ہے جو تجارت کے سلسلے میں اپنے آبائی وطن سے باہر ہے اور اس کے گھر والے پریشان حال ہیں، خصوصاً احمد کی شریک حیات جو ہر روز ممبئی سے آنے والی ٹرین میں اپنے شوہر کا انتظار کرتی ہے۔ کہانی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق نے کس خوبصورتی سے اپنے گرد و نواح میں پیش آنے والے واقعات کو سپرد قلم کیا ہے۔ شفق کا ایک کامیاب افسانہ 'مہم' ہے، جس میں انہوں نے عورتوں پر جاری تشدد، ظلم و زیادتی اور زنا بالجبر کو بڑے مؤثر اور انفرادیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

فسادات میں کس طریقے سے خواتین کی عصمت دری کی جاتی ہے، بچے یتیم کیے جاتے ہیں، اس درد کو ایک عورت سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے، نگار عظیم ایک ایسی افسانہ نگار ہیں جنہوں نے فسادات میں خواتین کے تقدس کی پامالی کے تعلق سے سنگین جرم اور جشن قلم بند کیا ہے۔

ملک کے مجاہدین اور بابائے قوم مہاتما گاندھی نے آزادئ ہند کا خواب دیکھا تھا اور ہزاروں قربانیوں کے بعد یہ خواب شرمندۂ تعبیر بھی

ہوا،لیکن قربانیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، آزادیٔ ہند کے بعد ملک میں فرقہ پرستی نے اپنا شکنجہ مضبوط کرلیا اور اقلیتوں کی پامالی کا سلسلہ شروع ہوا۔ صرف مسلمان ہی نہیں آج تک عیسائی، پارسی، سکھ اور دلت طبقات کے ساتھ ظلم وزیادتی اور قتل و غارت گری کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ بیگ احساس کی کہانیوں میں بے باکی اور صداقت کے عنصر نمایاں ہیں، انہوں نے 'پناہ گاہ کی تلاش' علامتی نوعیت کا افسانہ لکھا جس میں فسادات کا ذمہ دار حکومتوں کو قرار دیا ہے۔ اس افسانے کے علاوہ فسادات کے تعلق سے ان کا اہم افسانہ نیا شہسوار، کرفیو، دھارو غیرہ ہے۔ جدید افسانہ نگاروں میں شموئل احمد غالبًا ایک واحد ایسے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اپنے فن کے مطابق علم نجوم اور جنسی نظریات کے تحت فسادات کی منظر کشی اپنے افسانوں میں کی ہے۔ ان کا افسانہ سنگھاردان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فحاشی عام انسانوں کے لیے فحاشی اور جنسی لذتوں کا نام تو ہوسکتا ہے، لیکن ادیب کے لیے فحاشی ایک فن ہے، جسے ادیب جس پیرائے میں پرونا چاہتا ہے پرو دیتا ہے۔ اس کے علاوہ القمبوس کی گردن میں شموئل نے علم نجوم کے اصولوں سے عجیب و غریب اور دل دہلا دینے والی کیفیت پیدا کردی ہے۔ جھگمانس، بدلتے رنگ بھی اہم افسانوں میں سے ہیں۔ عبدالصمد کا افسانہ دم، انجم عثمانی کا شہر گریہ کا مکیں، طارق چھتاری کی کہانی لکیر، ساجد رشید کا زندہ در گور ایک چھوٹا سا جہنم، پیغام آفاقی کی کہانیاں فسادات کے ساتھ ساتھ دہشت گردانہ حملوں سے بھی متاثر نظر آتی ہیں، ان کی کہانی اس کی شخصیت پر مذہب کی کوئی پہچان نہ تھی، بھوکمپ اور جوالا مکھی، معین الدین جینابڑے کا افسانہ تعبیر بابری مسجد کی شہادت کے پس منظر میں لکھا گیا افسانہ ہے جب کہ برسو رام دھڑاکے سے ہندوستانی مشترکہ تہذیب وثقافت پر مشتمل ہے، سید محمد اشرف کا افسانہ آدمی، کعبے کا ہرن، خالد جاوید کا ہذیان، ابن کنول کا ایک گھڑی کی کہانی، تیسری لاش، ترنم ریاض کا یہ تنگ زمین، احمد صغیر کا افسانہ منڈیر پر بیٹھا پرندہ کرفیو کب ٹوٹے گا اور اسلم جمشید پوری کا عیدگاہ سے واپسی مجھے معاف کرنا رام سنگھ، بدلتا ہے رنگ، ذوقی کا گجرات فساد کے تعلق سے لیبارٹری، حالات معمول پر ہیں وغیرہ کے علاوہ درجنوں افسانہ نگار فسادات کے حوالے سے مستقل کہانیاں قلم بند کررہے ہیں۔

رونما ہونے والے حالات اور ماحول سے ادب بھی ہمیشہ متاثر ہوا ہے، لہٰذا اردو ادب پر بھی ان فسادات وواقعات کا اثر ہوا اور متاثرین کی ترجمانی اردو شعرا وادبا نے خوب کی۔ اردو افسانوں نے بھی مظلومین سے ہمدردیاں پیش کیں اور حالات کو افسانوی لڑیوں میں پرویا، وہاں نہ حکومتوں کی چاپلوسی ہے اور نہ ہی کوئی مصلحت پسندانہ رویہ یہی خصوصیت ہے فسادات ودہشت پسندی پر مبنی افسانوں کی۔ جو اکثر نئی نسل کو متاثر کرتی رہی ہے۔ چوں کہ یہاں علامت وتجریدیت کا بھی اثر کم سے کم ہے اور بیانیے کے اثرات زیادہ، اس لیے یہ افسانے عوامی مطالعہ تک بھی پہنچتے ہیں۔

○○

سائنس کے منتخب مضامین

اس کتاب کے مصنف محمد خلیل بنیادی طور پر ایک سائنس داں۔ انھوں نے طویل عرصے تک مرکزی حکومت کے زیر انتظام شائع ہونے والے میگزین ''سائنس کی دنیا'' کی ادارت کی ہے۔ وہ اس بات سے بڑی حد تک واقف ہیں کہ بچوں کے لیے کس طرح کے سائنسی مضامین پیش کریں۔ اس کتاب میں انھوں نے سادہ اور سہل انداز میں بچوں کو سائنس کی باتیں بتائیں ہیں اور انھیں یہ سمجھایا ہے کہ سائنس کوئی مشکل موضوع نہیں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ان موضوعات کو منتخب کیا ہے جو ہمارے ارد گرد بکھرے ہوتے ہیں اور باتوں باتوں میں بچوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کی ترقیات نے انسانی زندگی پر بڑا مثبت اثر ڈالا ہے اور انسانی زندگی کے اکثر شعبے سائنس کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ اس کتاب میں شامل بعض مضامین ایسے ہیں جو بچوں کے ساتھ بڑوں کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کریں گے۔

مصنف: محمد خلیل صفحات: ۸۰، قیمت: تیس روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی